تحقیق و تنقید

جناب عبدالرؤف ظفر
استاذ شعبۂ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

مسئلہ قربانی کی شرعی حیثیت

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے جس کی بنیاد صرف اسلامی شریعت کی عملداری کے لیے رکھی گئی تھی۔ اگرچہ بوجوہ ابھی تک ایسا ممکن نہیں ہو سکا۔ تاہم اس سلسلہ میں حوصلہ افزا پیش رفت ہوئی ہے اور ابھی تک یہ سفر جاری ہے۔ واضح رہے کہ جہاں حکومت اور سیاستدانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں خصوصی دلچسپی لیں۔ وہاں اہلِ علم کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو قابلِ عمل ثابت کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ اس نظام کی عملداری میں ہی ہماری دنیوی اور اخروی کامرانیوں کا راز مضمر ہے۔ لیکن بدقسمتی سے دو قسم کے گروہ اس معاملہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ مغرب زدہ لوگوں کا ہے جو ہر چیز کو مغرب کی آنکھ سے دیکھتا ہے، مغربی طرزِ حکومت کو ہی حرفِ آخر سمجھتا ہے اور اسلام کو ایک فرسودہ اور ناقابلِ عمل نظام قرار دیتا ہے۔

دوسرا گروہ اسلامی حلقوں میں متجددین کا ہے۔ اس کا کام اسلام کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے اور مسلمانوں کے متفق علیہ مسائل میں اپنی حسبِ منشاء جدتیں پیدا کرکے ذہنی انارکی پیدا کرنا اور انتشار پھیلانا ہے تاکہ امتِ مسلمہ کا کسی چیز میں اتفاق نہ رہ سکے۔ اس گروہ کا خصوصی ہدف احادیثِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہیں حالانکہ محدثینِ عظام نے احادیثِ نبویہ پر پوری تحقیق کی ہے اور ان کی جانچ پڑتال کے سلسلہ میں اپنی پوری زندگیاں وقف کرکے رطب و یابس سے ان کو پاک کر دیا ہے۔ چنانچہ موجودہ دور میں ان کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ان کی تحقیق کو رد کرکے اپنی مرضی سے احادیث کو ضعیف یا موضوع قرار دینے سے انسان کی اپنی لاعلمی کا پتہ چلتا ہے۔ محدثین نے احادیث

کی درجہ بندی (متواترہ، صحیح، حسن، مرفوع، موقوف، مرسل، منقطع، مشہور، عزیز، غریب، احاد، ضعیف، موضوع وغیرہ) کر کے امت کو ایسے واضح اصول دے دیے ہیں جو حدیث کے سلسلہ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہنے دیتے۔ بلکہ بعد کے محدثین نے قرونِ سابقہ کے محدثین کی کتب احادیث کی بھی درجہ بندی کی ہے۔ اصولِ حدیث کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص احادیث کے معاملہ میں محدثین سے الگ اپنی رائے رکھتا ہے تو اس کے رویہ کو دین میں تلعب کے سوا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ اور ایسے شخص کا "دینی علم" اور اخلاص سو فیصد محلِ نظر ہو گا۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ حدیث رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) قرآنِ مجید کے بعد دوسرا ماخذِ شریعت ہے۔ یہ بات جذباتی نہیں بلکہ ایمانی اور علمی لحاظ سے ثابت شدہ ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا، جو تجدد کا جامہ پہن کر اپنی مخصوص کمین گاہوں میں بیٹھ کر احادیث رسول اللہ پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں، فی الفور محاسبہ ہونا چاہیے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی پروفیسر رفیع اللہ شہاب ہیں جو امت کے متفق علیہ اور مسلّم الثبوت مسائل میں جدتیں پیدا کر کے ان پر تبصرہ کرتے رہتے ہیں۔ جن کا مقصد محض لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا ہے، حالانکہ یہ طرزِ عمل صحافت کی لائن میں تو اپنایا جا سکتا ہے، جس سے مطلوب واقعات کے بیان میں سنسنی خیزی کے ذریعے، اخبار کی اشاعت کو بڑھانا ہوتا ہے۔ لیکن اہلِ علم کے نزدیک نہ اس کی اجازت ہے اور نہ ہی اس کی کوئی وقعت، بلکہ ان کے نزدیک یہ نا پسندیدہ اور باغیانہ فعل ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر صاحب مذکور کا جدید "شاہکار" مسئلہ قربانی پر ان کے اشارات ہیں۔ ہمارے اس مضمون کا مقصد پروفیسر صاحب کے مزعومہ خیالات کی تنقیح ہے، جس کے لیے مناسب ہے کہ پہلے موصوف کے مذکورہ مضمون کے مندرجات کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ ان کا یہ مضمون مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۸۲ء بمطابق ۷ ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ کے "پاکستان ٹائمز" میں بعنوان "صحابہ کرام اور عید الاضحیٰ" شائع ہوا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں:

۱۔ صحابہ کرام کی پیروی:

"حضرت علیؓ کی وفات کے بعد جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تو اس ادارہ نے اپنے خفیہ مقاصد کے تحت احادیث نبوی وضع کیں۔ محدثین نے ان احادیث نبویہ کو جانچنے کا ایک معیار صحابہ کرامؓ کا عمل ٹھہرایا ہے۔ آں حضرتؐ نے کئی مرتبہ فرمایا تھا:

"میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں، ان کی پیروی درست راستہ کی طرف ہوگی"

(موصوف نے حدیث کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے) انہوں نے آں حضرتؐ کو خود دیکھا اور ہر وہ کام کرنے کی کوشش کی جو آں حضرتؐ نے کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے صحابی تو آں حضرتؐ کی سنت کے اتنے گرویدہ تھے کہ آں حضرتؐ جن راستوں پر چلے تھے وہ ان پر چلے اور جن جگہوں پر آں حضرتؐ نے نمازیں پڑھی تھیں انہوں نے انہی جگہوں پر نماز پڑھی۔ سنتِ نبویؐ کی اتباع کی وجہ ہی سے صحابہ کرام کا عمل بھی اسلام میں قابلِ عمل حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن بعد کے ادوار میں اس طرف کم توجہ کی گئی اور لوگوں کو اس سے بے خبر رکھا گیا اور ان کو بتایا ہی نہیں گیا۔ مثال کے طور پر بقول امام مالکؒ، اعتکاف جیسی عبادت صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی نہیں کی، بلکہ صیامِ وصال کی مانند یہ آں حضرتؐ کا خاصہ تھی۔ اس بات سے آج تک لوگ بے خبر ہیں۔"

۲۔ نفلی عبادات: "عید الاضحیٰ کے موقع پر جانور کی قربانی کو صحابہ کرامؓ کی اکثریت نفل قرار دیتی تھی، جس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے صحابی قربانی نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابو مسعود انصاریؓ ہزاروں بکریوں کے مالک تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی قربانی نہ کی۔ عید کے دن حضرت ابن عباسؓ نے اپنے غلام عکرمہ کو بلا کر دو درہم دیئے اور کہا اس کا گوشت لاؤ کہ یہ ابن عباسؓ کی قربانی ہے۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ قربانی کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔"

۳۔ پرندے کی قربانی اور ضرورتمند کی حاجت براری:

"حضرت بلال حبشیؓ نے اس مبارک دن کو ایک مرغ کی قربانی کی۔ حضرت بلالؓ کے اس عمل کی وجہ سے امام ابن حزم پرندوں کی قربانی کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین میں سے مشہور تابعی سعید بن مسیّب اور امام شعبی قربانی کرنے کی بجائے ضرورتمند مسلمانوں میں رقم تقسیم کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت بلالؓ سے اسی طرح مروی ہے، قربانی کے متعلق احادیث ضعیف ہیں، زیادہ صحیح وہ حدیث ہے جس میں آں حضرتؐ نے اپنی اور اپنی تمام امت کی طرف سے ایک ایک مینڈھا قربان کیا۔ اس بناء پر الجیریا کے صدر احمد بن بلا نے ایک محلہ کے لیے ایک قربانی کو کافی قرار دینے کا حکم جاری کیا تھا اور یہ اسلام کے حکم کی شرط کو پورا کرتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایک محلہ کی طرف سے ایک قربانی کر دی جائے تو

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور اگر قربانی کے عوض کسی ضرورت مند کو پیسے دے دیئے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔" ؎

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو
منزل کی ہو تلاش جسے تیرے نقشِ پا کے بعد

اب ہم مندرجہ بالا مضمون پر تبصرہ کرتے ہیں:

۱۔ صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل:

صحابہ کرامؓ آں حضرتؐ کے اس ارشادِ عالیہ کو ہمیشہ سامنے رکھتے تھے:

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ۔" ؎۱

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں، جب تک ان پر مضبوطی سے عمل کرو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسرے اس کے رسولؐ کی سنت۔"

مشہور واقعہ ہے، ایک دفعہ آں حضرتؐ کے سامنے حضرت عمر فاروقؓ تورات کا ایک ورق لے کر آئے، تو آں حضورؐ غصہ میں آ گئے اور فرمایا:

"وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوسٰى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ۔ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَأَدْرَكَ نُبُوَّتِي لَاتَّبَعَنِي۔" ؎۲

کہ "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر تمہارے پاس موسیٰؑ آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے، اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پا لیتے تو ضرور میری اتباع کرتے۔"

چنانچہ اگر صحابہ کرامؓ میں، کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا تو اس کو کتاب و سنت سے حل کرنے کی کوشش فرماتے۔ جس کی سینکڑوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، اس لیے

؎۱ موطا امام مالک بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

؎۲ مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲

کہ قرآن مجید سے انہیں تعلیم یہی ملی تھی:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ" (النساء: ۵۹)

کہ "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور اپنے میں سے اولی الامر کی، پھر اگر کسی چیز کے بارے میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو۔"

صحابہ کرامؓ کو اپنی رائے کے خلاف اگر حدیث رسول اللہ مل جاتی تو فوراً اپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ زنا کے جرم میں ایک پاگل عورت کو سنگسار کرنے کا ارادہ فرمایا، لیکن جب انہیں آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا کہ "تین شخص مرفوع القلم ہیں، نابالغ، پاگل اور سویا ہوا" تو انہوں نے فوراً یہ ارادہ ترک کر دیا۔[۱] اگر کبھی کسی معاملہ میں ان کو کتاب و سنت کے مسئلہ کا علم نہ ہوتا تو صاف بتا دیتے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس دادی وراثت میں اپنے حصّہ کا مطالبہ لے کر آئی تو آپؓ نے فرمایا، "مجھے کتاب و سنّت میں آپ کے حصّہ کا علم نہیں، میں پوچھ کر بتاؤں گا۔" اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے وراثت میں دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا اور حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت مغیرہؓ کی تصدیق کی تو حضرت ابو بکرؓ نے آں حضرت ﷺ کے اس حکم کو نافذ کر دیا۔[۲]

(جاری ہے)

۱؎ الاحکام جلد ۲ ص ۱۳، ابن حزم

۲؎ موطا امام مالک ص ۶۶۳ کتاب الفرائض